غسّالہ

ڈاکٹر شبنم رضوی

صدر شعبۂ اردو، کرامت حسین مسلم گرلز پی۔جی۔کالج، نشاط گنج، لکھنؤ (یوپی) موبائل: 9415547544

میں غازی پور کی رہنے والی۔ جس نے زندگی میں دہلی، بمبئی، بنارس، لکھنؤ کے علاوہ کوئی شہر نہیں دیکھا تھا۔ شادی ہوئی بنارس میں۔ لو چند قدم کی دوری...... روز چاہو...... روز آؤ...... مگر معاملہ تھا سسرال کا۔ آنا جانا میکے میں کم ہی ہوتا تھا کیونکہ سسرال اس قدر وسیع تھا کہ...... رشتے تھامے نہیں تھمتے تھے۔ یا اللہ کس قدر نندیں، دیوروں کی فوج، ساسوں کی ریل پیل، خلیا ساس، ممیا ساس، پھپھیری ساس، اپنی ساس، محلے پڑوس کی ساس، ہائے اللہ...... مجھے تو رشتہ نبھاتے نبھاتے شوہر سے بات کرنے تک کی فرصت نہیں ملتی۔ بھرا پُرا گھر خاندان، ملنا جلنا، آنا جانا، شادی بیاہ، اسکول، کالج، نوکری۔ گویا ہر طرف کام ہی کام، مصروفیت ہی مصروفیت۔ کبھی کبھی میرا جی چاہتا...... آرام سے اکیلے لیٹ کے کچھ سوچوں، پرانے زمانے کے گانے سنوں، کوئی پرانی فلم دیکھوں۔ آس پاس کوئی نہ ہو...... خاموشی ہو اور میں ہوں...... مگر کہاں ملتی تھی خاموشی تنہائی......

وہ کہتے ہیں نہ کہ جب اللہ دیتا ہے تو چھپر پھاڑ کے دیتا ہے۔ کچھ زندگی نے یوں چکر کھایا کہ میں بنارس کی دال منڈی سے سیدھے کینڈا ٹورنٹو شہر کے بیچوں بیچ پہنچ گئی۔ بس جانے کا پروگرام اس قدر عجلت میں بنا کہ میں کچھ سوچ ہی نہیں پائی۔

آج سے قریب بیس پچیس برس پہلے میرے شوہر کی نوکری پر ایسی مصیبت آئی کہ اپنے ملک میں ہم لوگوں کا رزق ہی اٹھ گیا۔ چھ مہینے بعد کنیڈا میں جانے کی رائے کس نے دی اور بس دیکھتے ہی دیکھتے سارے کام آسانی سے ہوتے گئے اور آخر کار میں کنیڈا پہنچ ہی گئی۔ مگر سمجھ نہیں آیا۔ دن بھر نیند ستاتی اور رات میں نیند ہی نہیں آتی...... خیر معلوم ہوا...... یہاں دن تو ہندوستان میں رات اور یہاں رات تو وہاں دن۔ خیر اللہ اللہ کر کے چند ہی مہینوں میں رات اور دن کے بوال سے نکلی۔ اللہ کا شکر تھا کہ کھانے ہمیں ہندوستانی ہی ملے۔ بڑے آرام سے ہم دال، چاول، روٹی، سبزی کھا سکتے تھے...... مگر لوگ کہاں سے لائیں بات کرنے کے لیے۔ جی کیسے بہلے۔ کتنا ٹی وی دیکھیں، کتنا اخبار پڑھیں، کتنا کھانا پکائیں۔ ہندوستان میں وقت ہی نہیں ملتا تھا اور یہاں وقت ہی وقت، کاٹے نہیں کٹتا۔ تنہائی، سناٹا، خاموشی، اداسی، ویرانگی، دھوپ کا نام ونشان نہیں۔ ہر طرف برف ہی برف، پہاڑ، پیڑ، سڑکیں، عمارتیں، گاڑیاں دور تک صرف برف ہی برف، سفید کفن اوڑھے زمین آسمان سے التجا کر رہی ہے۔ ہر وقت سکوت کا عالم۔ کوئی چہل پہل نہیں۔ گہما گہمی نہیں۔ مال جاؤ، بازار جاؤ، اسکول جاؤ تو لوگ نظر آتے ہیں مگر کیا مجال کہ کوئی ٹھیلا، کباڑی والا، پیپر والا، سبزی والا، چادر تکیہ بیچنے والے کی آواز سنائی دے جائے۔ ہم تو عادی تھے دہی والی دہی بیچنے کی آواز لگا رہی ہے، بھٹّا، اسکریم، سبزی، اخبار، پھل، چاقو تیز کرنے والا، مداری بندر کا ناچ کرا رہا ہے، عورتیں باتیں کر رہی ہیں، بچے کھیل رہے ہیں۔ پسینہ ہے، دھوپ ہے، گرمی، لو چل رہی ہے۔ شادی کا کارڈ آیا۔ آنے جانے کا پروگرام طے کیا جا رہا ہے۔ لین دین کی باتیں ہو رہی ہیں۔ ابّا کے سامنے آنچل ڈالا جا رہا ہے اور ان کے جاتے ہی دوپٹہ دور پھینک دیا جا رہا ہے...... وغیرہ وغیرہ۔

میں سوچتی ہائے اللہ...... میں کہاں سے کہاں آ گئی۔ وطن جاتی تو سب اتنا خوش ہوتے ہیں کہ اپنے درد کو کہنے تک کی ہمت نہیں جٹا پاتی...... ہزار غم لے کر وطن جاتی اور کئی ہزار غم لے کر واپس کنیڈا آ جاتی۔ کئی برس تک یہیں معمول رہا۔ میں سوچتی والدین نے کیا شادی کی ہے...... جہاں شوہر رات میں نظر آتا ہے۔ چند باتیں، کھانا پینا، نہانا دھونا، ان کا آفس چلے جانا اور مجھے اکیلے رہ جانا...... ہر روز...... ہر وقت...... ہر پل...... زندگی اجیرن ہو جاتی۔ جینا مشکل ہو جاتا...... اگر شگفتہ باجی سے میری ملاقات نہ ہوئی ہوتی۔

ٹورنٹو میں میرا گھر بارہویں منزل پر تھا۔ وہاں عجیب منظر دیکھا تیرہواں فلور ہوتا ہی نہیں۔ جیوش لوگ آج بھی تیرہ نمبر کو منحوس مانتے ہیں۔ بہت سالوں تک میں بارہویں اور پھر چودہویں فلور پر رہی۔ یہ تین، تیرہ، سات کا چکر تو ہندوستان کے جاہلوں میں منحوس مانا جاتا تھا، مگر ایسا میں سوچتی تھی؟ مگر کنیڈا جا کر پتہ چلا جاہلوں کی کمی نہیں غالب ایک ڈھونڈو

ہزار ملتے ہیں۔

شگفتہ سے میری ملاقات لفٹ میں ہوئی تھی۔ وہ اسی بلڈنگ کے چالیسویں فلور پر رہتی تھیں۔ یہاں آئے کئی برس گزر گئے تھے۔کوئی نظر ہی نہیں آتا تھا۔ یا تو بس، گاڑی، ٹرین نظر آتی یا پھر دور تک پھیلی ہوئی برف کی چادر......میرا دل کسی طرح نہیں لگ پا رہا تھا۔

ہمارے ہندوستان میں تو ذرا سی بجلی چمکی......بوندا باندی ہوئی......آندھی آئی......بادل گرجے......سب سے پہلے لائٹ کاٹ دی جاتی ہے۔ یا ٹرانس فارمر خراب ہوجاتا ہے۔ تین چار گھنٹہ لائٹ چلے جانا تو روز کا معمول تھا، مگر جناب کیا مجال کہ کنیڈا میں لائٹ چلی جائے۔ آندھی آئے، طوفان آئے، بادل گرجے، جھما جھم بارش ہو، برف کئی روز تک گرتی رہے......مگر لائٹ ہے کہ ڈٹی ہوئی ہے۔ کبھی جاتی ہی نہیں۔ باہر برف گرتی رہتی ہے۔ مائنس ڈگری میں پارہ چلا جاتا ہے اور گھر کے اندر پنکھا چل رہا ہے......لگتا ہی نہیں کہ باہر کے موسم اور اندر کے موسم میں مماثلت ہے۔ اگر کوئی چیز کنیڈا کی پسند آئی تھی تو وہ چیز تھی وہاں کی لائٹ۔ دنیا ادھر سے ادھر ہوجائے پر لائٹ نہیں جاتی۔ بس یہی وجہ تھی کہ مجھے کنیڈا پسند آنے لگا تھا۔

مگر مسئلہ یہ تھا کہ اپنے وقت کو کیسے گزاروں؟

مجھے پڑھنے کا شوق تھا۔ میں جب ہندوستان گئی تو اپنے پسندیدہ شاعروں اور مصنّفین کی کتابیں لے آئی۔ پریم چند، عصمت چغتائی، کرشن چندر، بیدی، منٹو، علی عباس حسینی، راہی معصوم رضا، قاضی عبدالستار، مجاز، فراقؔ، غالبؔ، میرؔ اور علامہ اقبالؔ وغیرہ وغیرہ۔ ہمارے گھر کے کونے کونے جیسے ٹیرس، بال کنی، ڈرائننگ روم، ڈائننگ روم، باتھ روم، کچن ہر جگہ کوئی نہ کوئی کتاب رکھی مل جائے گی۔ یہ کتابیں ہماری انرجی ڈرنکس ہیں۔ جہاں وطن کی یاد آئی۔ ایک کہانی پڑھ لی۔ غالبؔ کی غزلوں کا مطالعہ کرلیا۔ اقبالؔ کا ساقی نامہ پڑھ لیا۔ میرؔ کی عشقیہ شاعری میں ڈوب گئے اور دل و دماغ تر و تازہ ہوگیا......مگر اس کے باوجود بھی وقت گزارنا مشکل تھا۔ میں گڑ گڑا گڑ گڑا کے دعا مانگتی ’’مولا مجھے کام میں مصروف کردے......میں ڈپریشن میں چلی گئی، نیند آنا بند ہوگئی۔ بھوک مرگئی، مایوسی نے مجھے چاروں طرف سے گھیر لیا......

اسی دوران شگفتہ باجی کا فون آیا......

کیا ہو رہا ہے؟؟

جی......کچھ نہیں......بس یونہی......گھر کا نام......

چلوگی ایک جگہ......شگفتہ باجی نے پوچھا

کہاں......؟

موت ہوگئی ہے......

تو؟؟؟ یعنی کس کی......

تم نہیں جانتی......میں جانتی ہوں......ان کی لاش کو غسل دینے والا کوئی نہیں......ہے۔

مگر مجھے غسل دینا نہیں آتا......میں نے جلدی سے جان چھڑانے کے لئے کہا......

......مجھے مردوں سے بہت ڈر لگتا ہے......میں تو دیکھ بھی نہیں سکتی......

ارے ڈرنے کی کیا بات ہے......شگفتہ باجی نے کہا......

مردہ زندہ تھوڑے ہی ہوسکتا ہے۔ مرگیا تو مرگیا......وہ تو مجبور ہوجاتا ہے۔ مرہون منت ہوجاتا ہے دوسروں کا......

تم ڈرو نہیں......شگفتہ آپا نے سمجھانے کے انداز میں کہا......

مگر میں......یعنی مجھے بہت خوف آتا ہے۔ میں تو کبھی مردوں کے پاس تک نہیں گئی۔ قریب سے دیکھا تک نہیں......ابھی میں یہ سب سوچ ہی رہی تھی کہ مجھے ایسا لگا کہ سفید کفن میں لپٹی ہوئی ایک لاش میرے قریب آگئی۔ وہ مجھ سے کہہ رہی ہے’’ مجھے غسل کرکے کفن پہنانا، میں پاک وصاف خدا کے دربار میں حاضری دینا چاہتی ہوں......سنو......تم کو بھی مرنا ہے......‘‘

میں اندر تک کانپ گئی......میرا دل تیز تیز دھڑکنے لگا۔ جی گھبرانے لگا۔ میں پسینہ پسینہ ہوگئی......

تبھی شگفتہ باجی کا فون آیا......میں گاڑی لے کر نیچے کھڑی ہوں......بس آجاؤ۔ مجھے ان کی مروّت میں نیچے اترنا پڑا۔

ہم دونوں ایک مسجد کے علاحدہ حصہ میں گئے۔ جہاں غسل خانہ تھا۔ میت نہلانے کا۔ ساتھ ہی امام باڑہ......کافی وسیع جگہ تھی۔ روشن پررونق......مجھے وہاں بالکل ڈر نہیں لگا۔ چاروں طرف درخت لگے تھے۔ نہایت خوبصورت بناوٹ تھی۔ صاف ستھری جگہ......مجھے اپنے شہر کے قبرستان کی یاد آنے لگی۔

کیسا خوف ناک منظر ہوتا ہے۔ اندھیرا گھپ، مدھم روشنی، ٹوٹی پھوٹی اونچی نیچی قبریں۔ ایک ہو کا عالم......

ہم دونوں چلتے چلتے اندر پہنچ گئے......اندر......اور اندر جہاں لاش رکھی تھی۔ میں کانپ گئی......یہ دیکھ کر کہ ایک ادھیڑ عمر عورت کی لاش اکڑی پڑی ہے۔ منھ کھلا، ہاتھ پیر بالکل سیدھا، آنکھیں بند......گوری چٹی......

بالکل زرد گلاب سی......ابھی میں نے ڈرنا شروع ہی کیا تھا کہ شگفتہ آپا نے میرے کاندھے پہ ہاتھ رکھ کر ہدایت دی۔

جیسا میں کہوں۔تم کرتی جانا۔

جی۔!

گرم پانی کا نل کھولا گیا۔

مردے کا منھ دھلایا گیا پھر

نیم کے پانی سے پھر صابن لگا کر دھویا گیا۔جسم کو الگ الگ پائپ کے پانی سے نہلایا گیا۔میرا کام صرف وہ نل کھول دو، صابن دو، ادھر آؤ، تولیہ دو وغیرہ وغیرہ بس یہی رہا......غسل میت کے بعد کفن پہنایا گیا۔مجھے پہلی مرتبہ پتہ چلا کہ کفن کا کپڑا ڈبل عرض کا ہو تو چودہ اور سنگل عرض کا اٹھارہ میٹر کا ہوتا ہے۔اس کو کئی حصوں میں بانٹا جاتا ہے اور سب سے پہلے سر پر اسکارف باندھا جاتا ہے اس کے بعد سینے پر کپڑا باندھا گیا۔دونوں پیروں پر کپڑے لپیٹے گئے۔بازو اور پھر پورے جسم کو کپڑوں سے لپیٹا گیا۔آخر میں منھ کو بھی ڈھک دیا گیا۔اتنے میں گھر والے آئے۔رونا پیٹنا شروع ہو گیا۔چند لوگ آئے اور جنازہ اٹھا کر قبر تک پہنچا دیا......ہم لوگوں کا کام ختم ہو چکا تھا۔ہم لوگوں نے بھی غسل میّت کیا دو رکعت نماز جنازہ پڑھی اور اپنے اپنے گھر آ گئے۔میں اتنا تھک گئی تھی کہ ڈر مجھ پر حاوی ہوتا اس سے پہلے ہی مجھے نیند آ گئی......اور جو سوئی تو صبح دس بجے قریب آنکھ کھلی وہ بھی شگفتہ باجی کے فون سے......

کیسی ہو......؟

ٹھیک ہوں۔میں نے جمائی لیتے ہوئے کہا۔

سو رہی تھی؟

جی......؟

ابھی تک؟ حیرت بھری آواز آئی۔

ہاں......بڑی اچھی نیند آئی......

اچھا......میں تو سمجھ رہی تھی تم ڈرو گی......اور نیند نہیں آئے گی۔

ہاں......ہاں میں نے لجاجت سے کہا۔

میں بھی یہی سوچ رہی تھی مگر مجھے تو کئی برس بعد اتنی اچھی اور پر سکون نیند آئی۔شکریہ شگفتہ باجی......شکریہ آپ نے میرے اندر کے ڈر کو نکال دیا۔

شگفتہ آپا پاکستان کی ہیں اور ان کی ایک ٹیم ہے۔کنیڈا میں غسل میّت کی بڑی دقت تھی۔ایک بار تو یہ نوبت آئی ایک میّت صرف اس لیے کئی دنوں تک رکھی رہی کیونکہ کوئی غسالہ نہیں ملی۔پھر جیسے تیسے کچھ عورتوں نے مل کر کسی طرح غسل میت دیا۔کفن پہنایا۔ان میں شگفتہ آپا بھی تھیں۔تبھی انہوں نے سوچا کہ وہ کنیڈا کے ٹورنٹو شہر میں جہاں قیام پذیر تھیں۔یہی کام انجام دے گی تا کہ کوئی میت بے گور و کفن پڑی نہ رہے۔پھر دھیرے دھیرے شگفتہ آپا نے اپنی ٹیم بنائی۔جس میں اب میں بھی شامل ہوں۔

وہاں جب کوئی موت ہوتی ہے تو شگفتہ خواہر کے پاس فون آتا ہے اور وہ اپنی ٹیم لے کر نکل پڑتی ہیں کارِ خیر کرنے......

میں بھی اب ان کی ٹیم کا حصہ ہوں۔ایک بار ایسا ہوا شگفتہ آپا پاکستان گئی تھیں۔تو ٹیم کی مکمل ذمہ داری ہمارے اوپر آ گئی۔

آج کل برف باری زوروں پر ہے بیس دن گزر گئے دھوپ کا نام و نشان نہیں۔مسلسل برف باری سے جی اکتا گیا تھا۔عجیب سے گھٹن بھرے ماحول کا احساس ہو رہا تھا۔اداسی چھا گئی تھی۔وطن کی یاد تازہ ہو گئی تھی۔بار بار گھر بار یاد آ رہا تھا۔بچپن میں وہ غازی پور میں بشیر منزل جیسے بڑے گھر کے وسیع آنگن میں کبڈی، کھوکھو اور اونچ نیچ کا گاج گوج کھلنا۔وہ خالہ کا پیار خالہ امّی کا دلار، بہنوں کے ساتھ مستی بھرے دن۔واہ واہ کیا دن تھے۔کیا حسین راتیں ٹھنڈک میں گھنٹوں مونگ پھلی کھائی جا رہی ہے۔ہاتھ سینکا جا رہا ہے۔قصہ کہانیاں چل رہی ہیں۔ہنسی مذاق ہو رہا ہے......میں کھڑکی سے باہر مسلسل گرتی برف کو دیکھ رہی تھی......تبھی فون کی گھنٹی بجی۔

ہلو......میں نے پوچھا

جی میں......آپ مجھے نہیں جانتی......میں ڈاکٹر رقیہ بول رہی ہوں۔میرے چار مہینے کا بچہ ضائع ہو گیا ہے۔وہ رونے لگی......غسل میت کی درخواست ہے۔میں نے کہا......ارے روتے نہیں......مرنا جینا تو اللہ کے ہاتھ میں ہے۔آپ غسل سینٹر پہنچیں۔میں آتی ہوں۔

میں نے اپنی ٹیم کو فون کیا۔سب تیار ہو گئیں، مگر سب کی یہی پریشانی تھی کہ برف سڑک پر جمی ہوگی اور ہو سکتا ہے راستہ بند ہو یا دیر لگے۔بہرحال کام انجام تو دینا ہی تھا۔میں اسی طوفانی رات میں نکل پڑی کیب میں۔تاریکی سناٹا، برف باری، خاموشی، اداسی۔میں ان تمام مراحل سے گزرتی ہوئی آخر کار غسل میّت سینٹر پہنچ ہی گئی۔اندر اور اندر اور اندر میں چلتی چلی گئی۔وہاں ایک ماں گود میں ایک چھوٹی سی پوٹلی لئے بیٹھی تھی۔اس نے وہ مجھے تھما دیا اور دونوں شوہر بیوی کھڑے ہو گئے۔ان کی آنکھوں سے آنسو رواں تھے۔میں نے دلاسا دیا......اور اس ننھی سی گٹھری کو لے کر اندر چلی گئی۔میں دل ہی دل میں لرز رہی تھی۔جلدی جلدی سب کو فون کیا۔

سبھی نے کہا راستے میں ہیں۔ کسی نے کہا سڑک پر برف جمی ہے ہٹائی جارہی ہے۔ بس آتی ہوں۔ کسی نے کہا بس نکلنے والی ہوں گھر سے۔ میں نے فون رکھ دیا اور پھر اس ننھی سی گٹھری کو تکنے لگی۔

میرا دل زوروں سے دھڑک رہا تھا...... یا اللہ...... یہ لاش ہے۔ ایک معصوم بچے کی جو پورا بن بھی نہیں پایا۔ جو دنیا کو دیکھ بھی نہ پایا...... دور سے رہ رہ کر سسکیوں کی آواز آرہی تھی...... میں لگا تار گھڑی دیکھتی رہی۔ فون آتے رہے...... کہ بس آرہی ہوں۔ برف باری تیز ہوگئی ہے۔ راستے میں برف جمی ہے...... میں انتظار کرتی رہی۔ باہر والدین روتے رہے۔ ایک گھنٹہ گزرا پھر دوسرا...... میرے دل سے صدا دی اب انتظار نہیں کرنا ہے۔ یہ کام تمہیں ہی اکیلے انجام دینا ہوگا۔ غسل میت میں کم سے کم دو لوگوں کی ضرورت ہوتی ہے مگر یہاں ایک میں تھی دوسری بچے کی ماں...... ماں کو بلانا مناسب نہیں تھا......

میں نے ہمت جٹائی اور اکیلے ہی اس کام کو انجام دینے کے لیے اپنے آپ کو تیار کیا۔ یہ میرا پہلا تجربہ تھا جب میں کسی نوخیز بچے کو غسل دے رہی تھی۔ میں نے ڈرتے ڈرتے ننھی سی گٹھری کھولی۔ بس گوشت کا لوتھڑا بھر تھا۔ میرے ایک ہاتھ کی ہتھیلی پر رکھا ہوا، مگر اس کے ناخن بن چکے تھے، آنکھ، کان، ناک، ہونٹ، ہاتھ، پیر کی صرف لکیر کھنچی تھی۔ میں اس گوشت کے لوتھڑے کو دیکھ کر کانپ گئی۔ دل ڈرنے لگا......ایک انجانا سا خوف میرے چاروں طرف گھوم رہا تھا۔ میں اندر سے کنگنا گئی۔ رونگٹے کھڑے ہوگئے۔ میرا ہاتھ لرزنے لگا۔ جسم میں کپکپی پیدا ہوگئی۔

یا اللہ میں کیا کروں؟
اس ننھی سی لاش کو کس طرح غسل دوں۔
میرے ایک ہاتھ کی ہتھیلی پر ایک لاش رکھی ہے۔

میری آنکھوں سے آنسو رواں تھے۔ دل کی دھڑکن تیز تھی۔ باہر برف باری ہورہی تھی اور میں پسینے پسینے تھی۔ یہ ایک مشکل مرحلہ تھا۔ جو ڈر اور خوف کے سائے میں مکمل ہوا......آج دس برس ہوگئے یہ کام انجام دیتے دیتے کبھی ڈر نہ لگا۔ دراصل کبھی بچوں کو غسل دینے کی ضرورت ہی نہیں پڑی تھی مگر آج کی رات...... غسل کے بعد میں نے ننھے سے کفن میں بچے کو لپیٹا۔ وہاں کوئی نہیں تھا سوائے ہم تینوں کے۔ میں نے والدین کو بلایا...... وہ بلک بلک کر رونے لگے......دور چھوٹی سی لحد تھی۔ والد کو یہ کام انجام دینا پڑا وہ قبر تک لے گیا۔ مٹی ڈالی اور وہیں بیٹھ کر پھوٹ پھوٹ کر رونے لگا۔ اس سناٹے میں اس کی آواز ضرور دور بہت دور اس کے وطن تک جارہی ہوگی۔ والدین کا رونا ہم سے دیکھا نہیں جارہا تھا......میں نے ان دونوں کو ان کی گاڑی تک پہنچایا اور کیب بلا کر میں بھی گھر کے لیے روانہ ہوگئی......

مگر آج کی رات نہ مجھے نیند آئی نہ چین پڑا، نہ قرار آیا، نہ تسلی ملی، نہ سکون، نہ تھکن...... میں بے حد بے قرار اپنی کھڑکی سے باہر گرتی برف کو دیکھتی رہی اور برف کی طرح میرے آنسو بھی رواں تھے اور دل میں کہیں جمتے جارہے تھے......

◆◆◆

قابل توجہ

''ایوانِ اردو'' اور ''بچوں کا ماہنامہ امنگ'' میں مضامین اور دیگر نگارشات بھیجنے والے قلمکار حضرات سے گزارش ہے کہ وہ اپنے قلمی نام کے ساتھ ساتھ اپنا انگریزی میں نام، بینک اکاؤنٹ کی تفصیلات، اپنا بینک پاس بک میں درج نام، مکمل پتہ اور فون نمبر ضرور لکھیں۔ بصورت دیگر ادارہ آپ کی تخلیق شائع کرنے سے قاصر رہے گا۔ (ادارہ)

ضروری گزارش

قلمکار حضرات سے گزارش ہے کہ ''ایوانِ اردو'' دہلی اور ''بچوں کا ماہنامہ اُمنگ'' سے متعلق اپنی تخلیقات، تبصرے اور خطوط صرف درج ذیل ای۔میل پر ہی روانہ فرمائیں۔ **E-mail: aiwaneurduumangdelhi@gmail.com**